Scholar Insight Journal *HEC PAKISTAN Y Category*
https://scholarinsightjournal.com/ ONLINE - ISSN- 3006-9785
Volume.2, Issue.2 (Dec-2024) PRINT - ISSN- 3007-245X

An Analytical Study of Sir Syed Ahmed Khan's Principles of Interpretation

سر سید احمد خان کے اصول تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Arif
Ph.D. Scholar, Government College University Faisalabad, Pakistan.
marifgcuf592@gmail.com
Dr. Sher Ali
Supervisor, Ex-HOD Department of Islamic Studies Government College University Faisalabad, Pakistan. drsherali63@gmail.com

Abstract: This study offers an analytical exploration of the interpretive methodology developed by Sir Syed Ahmad Khan (1817–1898), a leading reformist and modern intellectual figure in the Muslim world of the Indian subcontinent. His distinctive style of Qur'anic commentary emerged under the influence of rational inquiry, modern scientific thought, and the intellectual confrontations of the colonial era—especially those initiated by Christian missionaries. Sir Syed sought to demonstrate the essential coherence between revelation and reason, asserting that the Qur'an should be explained in accordance with the principles of nature and the realities of the modern world. Within this paradigm, he dismissed unreliable narrations, explained miracles as unusual yet natural occurrences, and promoted a contextual understanding of the Qur'anic text. However, his insistence on rationalism led him to deny the supernatural aspects of miracles altogether, representing a marked shift from classical Islamic exegetical traditions. Many of his later followers advanced this rationalist trend even further by questioning or rejecting hadith authority, widening the gap between their interpretations and mainstream Islamic thought. Consequently, Sir Syed came to be recognized as the originator of what became known as the "Naturist School" (Nachri Mazhab), a movement shaped by Western intellectual influences that redefined long-established religious interpretations. Though his reformist vision sparked enduring debates on the reconciliation of Islam with modernity, it also attracted criticism from traditional scholars who viewed his hermeneutics as a threat to the authenticity of Islamic scholarship. This research, therefore, critically assesses both the intellectual contributions and inherent limitations of Sir Syed's exegesis, positioning his work within the broader context of Islamic modernism and its complex legacy in South Asian thought.

Keywords: Sir Syed Ahmad Khan, Qur'anic interpretation, rationalism, miracles, rejection of hadith, Naturist School, Islamic modernism,

تعارف

یہ تحقیق سر سید احمد خان (1817–1898) کے اصولِ تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ سر سید بر صغیر کے ایک نمایاں مسلم مصلح اور جدید فکر کے حامل مفکر تھے۔ ان کے قرآنی فہم پر عقلیت پسندی، سائنسی علوم سے وابستگی، اور عہدِ استعمار میں مسیحی مشنریوں کے فکری چیلنجز کے جواب دینے کے رجحان نے گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے وحی اور عقل کے مابین ہم آہنگی پر زور دیا اور اس بات کی وکالت کی کہ قرآن کو قدرتی قوانین اور عصری علوم کی روشنی میں سمجھا جانا چاہیے۔ اس تجزیاتی مطالعے میں ان کے اہم اصولِ تفسیر پر بحث کی گئی ہے، جن میں کمزور یا غیر معقول روایات کا انکار، عقل کی بالادستی، معجزات کی عقلی تعبیر، اور آیاتِ قرآنیہ کی سیاقی تفہیم شامل ہیں۔

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنات کی رہنمائی کے لیے نبی آخرالزماں ﷺ کے قلب مبارک پر وحی کے ذریعے نازل ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کے صحیح مفاہیم اور وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو منتخب فرمایا۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرامؓ اپنی طرف سے قرآن کی تشریح نہیں کرتے تھے، بلکہ جب کسی آیت کے بارے میں اشکال پیش آتا تو براہِ راست حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کرتے۔ بعد میں صحابۂ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے اس منہج کی پیروی کرتے ہوئے جو تشریحات پیش کیں انہیں علمانے "تفسیر بالماثور" کہا، جبکہ ذاتی رائے اور اجتہاد پر مبنی تشریحات کو "تفسیر بالرائے" کا نام دیا گیا۔ بعض لوگوں نے اس سے بھی آگے بڑھ کر سلف صالحین کے طریقہ کار کو چھوڑتے ہوئے اپنی خواہشات اور آراء کی بنیاد پر تفسیریں لکھیں، جنہیں علمانے "تفسیر بالرائے مذموم" قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں انحراف کا بنیادی سبب اس حقیقت کو نظرانداز کرنا ہے کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جسے محض ذاتی رائے یا خواہش کے تابع نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے مفاہیم اور مطالب وہی درست ہیں جو اِس کے مخاطب اول یعنی نبی کریم ﷺ نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ یا تو علمی و رحانی نکات ہیں جو قلبِ مؤمن پر القاء ہوتے ہیں۔ باقی رہے اٹکل پچو باتیں تو قرآنی الفاظ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس احتیاط کے پیشِ نظر علماء اسلام نے تفسیر کے باب میں کچھ اصول و ضوابط متعین کئے ہیں۔ جنہیں اصولِ تفسیر کا نام دیا گیا ہے۔ ان اصولِ تفسیر سے مراد ایسے اصول و قواعد ہیں جو مفسرینِ قرآن کے لئے نشانِ منزل کی تعیین کرتے ہیں۔ تاکہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے والا ان کی راہ نمائی اور روشنی میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہے اور اس کے منشاء و مفہوم کا صحیح ادراک کر سکے۔ لہذا اس فصل میں سر سید احمد خان کے متعین

کردہ اُن اصول اور قواعد کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا جن کو انہوں نے اصول تفسیر کا نام دیا اور ۱۸۹۲ء میں سر سید احمد خان نے انہی اصول و ضوابط پر مشتمل'' تحریر فی اصول التفسیر '' کے نام سے ایک کتابچہ چھپوا کر شائع کیا۔ سر سید نے اپنی تفسیر کی بنیاد انہی اصول و ضوابط پر رکھی۔ سر سید کے مُتعَیّن کردہ اصولِ تفسیر کا اجمالی تعارف درج ذیل ہے۔

سر سید کے متعین کردہ اصولِ تفسیر کا اجمالی تعارف

الاصل اول: یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔

الاصل الثانی: یہ بھی مسلم ہے کہ ذاتِ باری تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں اور محمد ﷺ رسولِ برحق و خاتم المرسلین ہیں۔

الاصل الثالث: یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔نزل علی قلبِ محمد ﷺ او یوحی الیه وانه علیه الصلوة والسلام ۔ماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یو حی ۔

الاصل الرابع: قرآن مجید کے نزول کے حوالے سے عام علماء اسلام کا مذہب یہ کہ قرآن مجید جبرئیل کے ذریعے سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا جبکہ میرا خاص مذہب اس حوالے سے یہ ہے کہ ملکہ نبوت (جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے) نے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارکہ پر (الفاظ و معانی دونوں کے ساتھ) القاء کیا ہے۔ نا کہ نازل ہوا۔

الاصل الخامس: قرآن مجید بالکل سچ ہے اور اس میں کوئی بات واقع مندرج نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید۔

الاصل السادس: اللہ تعالی کی صفات جو قرآن میں وارد ہوئیں ہیں وہ سچ ہیں اور صحیح ہیں مگر ان صفات کی ماہیت من حیث ھی ھی جاننا مافوق العقل انسانی ہے۔ لہذا ان صفات کی جو کیفیت اور حیثیت ہمارے ذہنوں میں بنتی ہے بعینہ اسی طرح ذاتِ باری تعالی پر جو واجب الوجود ہے منسوب (اطلاق) نہیں کر سکتے۔

الاصل السابع: صفات باری تعالی عینِ ذات ہیں نا کہ غیر عینِ ذات اور تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔

الاصل الثامن: جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالی کے قولی وعدوں کا ذکر ہے اسی طرح اللہ تعالی کا ایک عملی وعدہ بھی ہے اور وہ ہے قانون فطرت (naturalism)۔یعنی اس کا فرمان قولی وعدہ ہے اور قانونِ فطرت، اللہ تعالی کا عملی وعدہ ہے۔اور ان دونوں قولی اور عملی وعدوں میں تخلف محال ہے۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے وعدے پورے نہ کرے اور یہ بھی ممکنات میں سے نہیں کہ کوئی کام قانونِ فطرت (naturalism) کے خلاف (یعنی مافوق الفطرت یا مافوق العقلِ انسانی)

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

واقع ہو۔ارشاد باری تعالی ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔[1]

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا۔[2]

فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔[3]

الاصل التاسع: قرآن مجید میں کوئی ایساامر مذکور نہیں ہے جو قانون فطرت کے خلاف ہو۔

وماالمعجزات فقد ثبت من القرآن انہ الصلوۃ والسلام ماادعی باحد من المعجزات و قال علیہ السلام انماانابشر منکم یوحی الی انماالھکم الہ واحد و قال علیہ السلام فی موضع آخر انمابشیر نذیر ولھد قال المحق الاجل الشاہ ولی اللہ فی المتفھیمات الالھیۃ ولم یذکر اللہ سبحانہ شیئامن المعجزات فی کتابہ ولم یشیر الیہ فقط۔جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے دعوی نہیں کیابلکہ یہ ضرور کہاہے کہ میں تمہاری مثل ہوں اور میں بشیر ونذیر ہوں یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے المفھیمات الالھیۃ میں لکھاہے کہ اللہ تعالی نے معجزات کاذکر اپنی کتاب میں نہیں کیانانہ ہی ان کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔آیات یابینات کے الفاظ سے مراد معجزات نہیں بلکہ احکام الھیہ مراد ہیں۔

الاصل العاشر: قرآن مجید بتامہ موجود ہے جس طرح یہ نازل ہوا۔اس میں ایک حرف بھی کم نہیں ہوااور نہ ہی زیادہ ہوا ہے۔"وتتواتر علیہ جیل بعد جیل فی قرن بعد قرب الی زماننا"

الاصل الحادی عشر: قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب میری نزدیک منصوص ہے۔اذا نزلت الایات اشار رسول اللہ ﷺ انها من سورۃ کذا بعد أیته کذا و حفظها الحافظ فی عهد رسول اللہ ﷺ علی هذا الترتیب ولم یزل الصحابة و التابعون و من بعدهم یقرؤن القرآن علی هذا۔

الاصل الثانی عشر: قرآن مجید میں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔یعنی قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جو کسی آیت سے منسوخ ہوئی ہو۔

الاصل الثالث عشر: قرآن مجید دفعتًا نازل نہیں ہوا بلکہ نجمًا نجمًا نازل ہوا ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے۔ونزلنٰه تنزیلا۔وقتًافوقتًاواقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوااور اس سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدانے وقتًافوقتًا بمقتضائے اس وقت جے نازل کیاہے۔

الاصل الرابع عشر: موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ قرآن کریم میں کہا گیا ہے وہ سب مطابق واقع

ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قول اس کی مصنوعات کے خلاف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے خلاف ہو۔

الاصل الخامس عشر: باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے الفاظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو ایک فصیح عربی بولنے والا لیتا ہے۔اور جس طرح انسان استعارہ، تشبیہ، تمثیل، مجاز وغیرہ استعمال میں لاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔اس کے علاوہ ہم کو ان اصول اور اُن قولی و عملی وعدوں پر بھی غور کرنا ہوتا ہے جو خدا نے کئے ہیں اور اس طرزِ کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہے۔[4]

سر سید کے اصول تفسیر کا خلاصہ

یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔یہ بھی مسلم ہے کہ ذاتِ باری تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں اور محمد ﷺ رسولِ برحق و خاتم المرسلین ہیں۔یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔نزل علی قلبِ محمد ﷺ او یوحی الیہ وانہ علیہ الصلوۃ والسلام۔ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔قرآن مجید کے نزول کے حوالے سے عام علماء اسلام کا مذہب یہ کہ قرآن مجید جبرئیل کے ذریعے سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا جبکہ میرا خاص مذہب اس حوالے سے یہ ہے کہ ملکہ نبوت (جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے) نے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارکہ پر (الفاظ و معانی دونوں کے ساتھ) القاء کیا ہے۔ نا کہ نازل ہوا۔قرآن مجید بالکل سچ ہے اور اس میں کوئی بات واقع مندرج نہیں ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ[5]

اللہ تعالی کی صفات جو قرآن میں وارد ہوئیں ہیں وہ سچ ہیں اور صحیح ہیں مگر ان صفات کی ماہیت من حیث ھی ھی جاننا مافوق العقل انسانی ہے۔لہذا ان صفات کی جو کیفیت اور حیثیت ہمارے ذہنوں میں بنتی ہے بعینہ اسی طرح ذاتِ باری تعالی پر جو واجب الوجود ہے منسوب (اطلاق) نہیں کر سکتے۔ صفات باری تعالی عینِ ذات ہیں نا کہ غیر عینِ ذات اور تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالی کے قولی وعدوں کا ذکر ہے اسی طرح اللہ تعالی کا ایک عملی وعدہ بھی ہے اور وہ ہے قانون فطرت (naturalism)۔یعنی اس کا فرمان قولی وعدہ ہے اور قانونِ فطرت، اللہ تعالی کا عملی وعدہ ہے۔اور ان دونوں قولی اور عملی وعدوں میں تخلف محال ہے۔یعنی یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے وعدے پورے نہ کرے اور یہ بھی ممکنات میں سے نہیں کہ کوئی کام قانونِ فطرت (naturalism) کے خلاف (یعنی مافوق الفطرت یا مافوق العقلِ انسانی) واقع ہو۔قرآن مجید میں کوئی ایسا امر مذکور نہیں ہے جو قانون فطرت کے خلاف ہو۔جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے کا دعوی نہیں کیا بلکہ یہ ضرور کہا ہے کہ میں تمہاری مثل ہوں اور میں بشیر و نذیر ہوں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے معجزات کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا نہ ہی ان کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔آیات یا بینات کے الفاظ سے مراد معجزات نہیں بلکہ احکام الہیہ مراد ہیں۔قرآن مجید بتامہ موجود ہے جس طرح یہ نازل ہوا۔اس میں ایک حرف بھی کم نہیں ہوا اور نہ ہی زیادہ ہوا ہے۔قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب میری نزدیک منصوص ہے۔قرآن مجید میں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔یعنی قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جو کسی آیت سے منسوخ ہوئی ہو۔قرآن مجید دفعتًا نازل نہیں ہوا بلکہ نجمًا نجمًا نازل ہوا ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے۔ونزلنٰہ تنزیلا۔وقتًا فوقتًا واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتًا فوقتًا بمقتضائے اس وقت جے نازل کیا ہے۔موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ قرآن کریم میں کہا گیا ہے وہ سب مطابق واقع ہے۔یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قول اس کی مصنوعات کے خلاف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے خلاف ہو۔باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے الفاظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو ایک فصیح عربی بولنے والا لیتا ہے۔اور جس طرح انسان استعارہ، تشبیہ، تمثیل، مجاز وغیرہ استعمال میں لاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔اس کے علاوہ ہم کو ان اصول اور اُن قولی و عملی وعدوں پر بھی غور کرنا ہوتا ہے جو خدا نے کئے ہیں اور اس طرزِ کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہے۔

سر سید کے اصولِ تفسیر کا تجزیہ

جمہور مفسرین سے اختلاف:

سر سید کی اصولِ تفسیر کی بحث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سر سید، جمہور مفسرین کے طرز تفسیر سے اتفاق نہیں کرتے اور نہ ہی وہ ان سے مطمئن نظر آتے ہیں۔بلکہ ان سے سخت اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کے حوالے سے انہوں نے جمہور مفسرین کے منہج کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک نیا طریقہ تفسیر منتخب کیا اور اس کے لئے کچھ قواعد اور اصول متعین کئے جن کو انہوں نے اصول تفسیر کا نام دیا۔ان کے اس نئے انداز تفسیر میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔مثلاً عام طور پر مفسرین کا یہی طریق رہا ہے کہ پہلے وہ اپنے اصول متعین کر کے تحریر میں لاتے ہیں اور پھر انہی اصولِ تفسیر کی روشنی میں اپنی تفسیر لکھنا شروع کرتے ہیں مگر سر سید نے اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے تفسیر کی کئی جلدیں مکمل کرنے کے بعد اصولِ تفسیر تحریر کئے۔۱۸۸۰ء میں جب ان کی تفسیر کی چند جلدیں منظر عام پر آئیں تو علمی حلقوں کی جانب سے سر

سید کی تفسیر اور طریقہ تفسیر پر شدید تنقید ہوئی۔اس تنقید کے جواب میں سر سید احمد خان نے ایک رسالہ "تحریر فی اصولِ تفسیر" کے نام سے تالیف کیا۔ جس میں انہوں نے اپنی طرف سے متعین کردہ اصولِ تفسیر بیان کئے۔اس وقت وہ سورہ النحل تک تفسیر لکھ چکے تھے۔اس بات کا ذکر کرتے ہوئے سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> "میرا ارادہ تھا کہ جب میری تفسیر پوری ہو جاوے گی اور اول سے آخر تک قرآن بنظرِ غائر تمام ہو جاوے گا اس وقت میں دیباچہ تفسیر کا لکھوں گا اور اس میں وہ تمام اصول بیان کر دوں گا جو تفسیر لکھنے میں میں نے اختیار کئے ہیں۔ مگر چونکہ اس کو زمانہ دراز درکار تھا اس لئے میں نے خیال کیا کہ مقدم اصول کو جو میں نے تفسیر لکھنے میں اختیار کئے ہیں لکھ دوں اور باقی اصول اس وقت پر منحصر رکھوں جب عام ہو جاوے اور خدا کی مرضی ان کے لکھنے پر ہو"[6]

نئے اصولِ تفسیر وضع کرنے کی وجوہات:

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر کو پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کا پیغام ایک نئے اور جدید انداز میں پیش کرنے کے جزبے سے سرشار تھے اور وہ علمی حلقوں میں پائے جانے والے اُس جمود کو توڑنا چاہتے تھے جو ان کی نظر میں اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں پر طاری تھا۔اس کے لئے انہوں نے کئی اقدامات اٹھائے ان میں سے ایک اہم قدم جو انہوں نے اٹھایا وہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا تھا۔اس مقصد کیلئے انہوں نے سابقہ مفسرین کے طریقہ کو ترک کرتے ہوئے نئے اور جدید انداز میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا فیصلہ کیا۔اس کے لئے انہوں نے از سرے نو اصول تفسیر وضع کئے۔اور پھر اپنے وضع کردہ انہی اصولِ تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ سر سید کے بقول انہوں نے سابقہ تفسیروں اور خاص طور علمائے اسلام کے وضع کردہ اصولِ تفسیر کا مطالعہ کیا مگر سر سید کو علماء کی اصولِ تفسیر کی کتب میں چند علوم کا تذکرہ تو ضرور ملا مگر جن مشکلات کا حل وہ چاہتے تھے وہ انہیں کتب اصولِ تفسیر میں نہ مل سکا لہذا انہوں نے اپنی طرف سے نئے اصولِ تفسیر وضع کرنے کا فیصلہ کیا۔

سر سید لکھتے ہیں:

> " اس کے بعد میں نے اپنی استطاعت کے مطابق قرآن مجید میں غور و تدبر کیا اور یہ کوشش کی کہ خود قرآن ہی سے یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا نظم کن بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ جتنا میری قوتِ فکر نے اجازت دی، میں نے سمجھنے کی کوشش کی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جو اصول براہِ راست قرآن سے سامنے آتے ہیں، ان کی روشنی میں نہ تو جدید علوم اور نہ ہی اسلام یا قرآن کے درمیان کوئی تضاد پایا جاتا ہے۔ انہی اصولوں کو بنیاد بنا کر

میں نے قرآن کی تفسیر لکھنے کا آغاز کیا جو فی الحال سورۃ النحل تک پہنچ چکی ہے۔ ''[7]

جن اصول و ضوابط کو بنیاد بنا کر سر سید احمد خان نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور ان اصول و ضوابط کو اصولِ تفسیر کا نام دیا۔ یہ اصولِ تفسیر سر سید نے دیگر مفسرین کے مسلمہ اصولِ تفسیر سے ہٹ کر اپنے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کئے۔ لہذا انہی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کی اور نتیجتاً قرآن کریم کے کئی مقامات پر مسلمہ اور متواترہ تعبیرات سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں اور ان تعبیرات کی جگہ انہوں نے اپنی طرف سے نئی تعبیرات پیش کیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید احمد خان کی تفسیر اور اصولِ تفسیر، علمی و دینی حلقوں میں ہمیشہ زیر بحث رہے ہیں۔ اور اہل علم کی طرف سے ان کی تفسیر اور اصولِ تفسیر پر کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر کے مطالعہ کے بعد ایک اہم بات جو بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دراصل سر سید احمد خان نے اپنے نظریات کو سامنے رکھ کر اصولِ تفسیر متعیّن کئے ہیں لہذا سر سید احمد خان قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا چاہتے ہیں جس سے ان کو اپنے نظریات کو تائید حاصل ہو سکے۔ مثلاًان کے ہاں دو اہم ترین اصول ہیں۔ ا۔ ''ورک آف گاڈ'' اور ''ورڈ آف گاڈ'' ہے۔ ۲۔ قرآن میں کوئی بات مافوق انسانی عقل نہیں ہے۔ ''ورک آف گاڈ'' (قوانینِ فطرت) اور ''ورڈ آف گاڈ'' (قرآنی آیات و احکام) اس کے متعلق سر سید کا نظریہ ہے کہ ان دونوں کا باہم متفق ہونا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے سر سید احمد خان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''دوسرا اصول یہ کہ ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں (ا) ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام یعنی قرآن مجید اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتا اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے۔ جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ورڈ آف گاڈ جس کو کہا جاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا اس لئے ضروری ہے کہ دونوں متحد ہوں''[8]

ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ:

سر سید کے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کردہ اصولِ تفسیر میں ایک بنیادی اور اہم اصول یہ ہے کہ دو حقیقتوں یعنی ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کا باہم متفق ہونا ہے۔ ان کے نظریے کے مطابق ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو ورڈ آف گاڈ کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دونوں متحد ہوں۔ سر سید کا خیال ہے کہ جو میرے اس نظریہ سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ اس سے خدا کی قدرتِ کاملہ میں کوئی نقص آتا ہے تو میرے خیال میں یہ محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے۔ سر سید احمد

خان کہتے ہیں کہ چونکہ انسان کا مقصد حیات خدا کی عبادت ہے۔لہذا اس بات کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی چیز انسانی عقل سے ماوراء نہ ہو۔ یہ کائنات قانون فطرت کے مطابق بنائی گئی ہے۔پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ ہے۔اس قانون فطرت میں بہت کچھ خدا نے ہم کو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے، گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو، مگر جس قدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے، جس سے تخلف قولی وعدہ کی تخلف کے مساوی ہے جو کبھی نہیں ہو سکتا۔

کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں:

سر سید کے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کردہ اصولِ تفسیر میں ایک بنیادی اور اہم اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں۔اس حوالے سے سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> ''چاہے یہ مانا جائے کہ انسان کا مقصدِ وجود خدا کی عبادت ہے یا یہ کہا جائے کہ مذہب انسان کی سہولت کے لیے وضع کیا گیا ہے، دونوں صورتوں میں یہ لازمی ہے کہ انسان میں ایسی صلاحیت پائی جائے جو اسے اس ذمہ داری کے قابل بنائے اور وہ صلاحیت عقل ہے۔اس بناپر ضروری ہے کہ مذہب کی تعلیمات انسانی عقل کے دائرے سے بالاتر نہ ہوں۔اگر کوئی مذہب عقلِ انسانی سے بالاتر قرار دیا جائے تو پھر انسان اس کا مکلف نہیں رہ سکتا۔ایسی صورت میں انسان پر مذہبی ذمہ داری ڈالنا اسی کے مترادف ہوگا جیسے کسی بیل یا گدھے کو احکام و نواہی کا پابند بنایا جائے یا کسی جاہل کو قاضی مقرر کر دیا جائے۔''[9]

گویا سر سید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کا مکلف ہونے کے حوالے سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو جس مذہب کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے اس مذہب کی ہر ہر بات انسان کے عقل و شعور اور فہم کے عین مطابق ہو۔انسان کا مقصدِ حیات عبادتِ خداوندی ہے۔لہذا انسان کو مذہب بھی ایسا دیا جائے جو اس کی عقل و فہم کے مطابق ہو چاہے کوئی یہ تسلیم کرے کہ انسان مذہب کیلئے پیدا کیا گیا ہے یا یہ کہے کہ مذہب انسان کیلئے بنایا گیا ہے۔دونوں صورتوں میں انسان کے پاس کوئی ایسی چیز ہونی چاہے جو جس بناپر وہ اس بار کو اٹھانے کا مکلف ہو۔اور وہ چیز عقل ہے۔پس اس لئے ضروری ہے کہ جو مذہب بھی انسان کو دیا جائے وہ عقلِ انسانی کے مافوق نہ ہو اور اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہو ہے تو انسان اسکا مکلف نہیں ہو سکتا۔بلکہ اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے کہ بیل۔گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جائے یا جو نپور کا قاضی بنا دیا جائے۔لہذا کوئی جاہل انسان تو ایسی بات کو جو عقل انسانی کے مافوق ہو مان سکتا ہے مگر جسے اللہ تعالی نے عقل انسانی یا اس کا کوئی حصہ بھی عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر کبھی یقین کر ہی

نہیں سکتا جو مافوق عقلِ انسانی ہو۔ سر سید احمد خان اسی اصول کی بناپر قرآن و حدیث کی ہر اس بات کا انکار کیا ہے جو مافوق عقلِ انسانی ہے۔ اُنہوں نے اپنی تفسیر میں ایسے تمام مقامات پر نئی تعبیرات پیش کی ہیں، جو دیگر مفسرین کی مسلمہ و متواترہ تعبیرات سے بالکل مختلف ہیں۔

الفاظ قرآنی کے معنی کی تعیین:

سر سید کے وضع کردہ اصولِ تفسیر میں الفاظ قرآنی کے معنی کی تعین کے حوالے سے بھی سر سید احمد خان نے کا نقطہ نظر نہ صرف مختلف ہے بلکہ انتہائی عجیب نظر آتا ہے۔بظاہر تو سر سید احمد خان تفسیر القرآن بالقرآن کے قائل ہیں اور الفاظِ قرآنی کی پابندی کا بھی دعوی کرتے نظر آتے ہیں مگر اکثر جگہ انہوں نے اس اپنی اس بات کا پاس نہیں رکھا۔

مثلًاایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’ہم کو ضروری ہے کہ صرف الفاظِ قرآن مجید کے پابند رہیں نہ ان قصوں کے جو یہود و نصاریٰ میں مذکور و مشہور ہیں‘‘[10]

مگر عملًا دیکھا جائے تو معنی کی تعیین کے حوالے سے بھی انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسلمہ اور بنیادی اصولوں سے انحراف کیا ہے بلکہ کئی مقامات پر الفاظ قرآنی کے ایسے معنی مراد لئے ہیں کہ الفاظِ قرآنی ان معنی کے متحمل ہی نہیں تھے۔ سر سید احمد خان قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے ہر جگہ اپنے نظریات واعتقادات کو مد نظر رکھا ہے۔اس حوالے سب سے اہم بات جو ان کی تفسیر میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ جن مقامات پر پہلے سے متعین معنی مراد لینے سے ان کے اعتقادات پر زد پڑتی ہے وہاں سر سید الفاظ قرآنیہ کی مطلقاًپابندی نہیں کرتے۔ مسلمہ معنی کو سلب کرتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ عقل کی پیروی کرتے ہوئے نئے معنی معین کرتے ہیں جن بنیاد پر انہوں نے نئی تعبیرات پیش کیں۔ سر سید لکھتے ہیں:

> ’’الفاظ کے وہی معنی لیتے ہیں جو عرب جاہلیت سمجھتے تھے۔کلام جاہلیت ہی کی بناپر صرف و نحو و لغت کی کتابیں بنی ہیں جن سے ہم قرآن مجید کے معنی بیان کرنے میں استمداد لیتے ہیں۔ موجودہ علم وادب عربی زبان کا بدوبین اور اہل عرب کے کلام کی بناپر مبنی ہے مگر بحث اس پر آجاتی ہے جب کہ بلحاظ علوم وفنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہل عرب بالکل ناواقف اور عاری محض تھے۔اس حالت میں بھی ہم کوئی نئی بات پیش نہیں کرتے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے ان معنوں پر متوجہ کرتے ہیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہم کو صحیح ودرست معلوم ہوتے ہیں‘‘ [11]

عربی لغت تمام ماخذ پر حاکم کادرجہ دینا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی تفسیر کا ایک اہم اور بنیادی ذریعہ عربی لغت ہے مگر عربی لغت کو قرآن کی تفسیر میں تمام ذرائع (ماخذ) پر حاکم کا درجہ دے دینا قطعاً درست نہیں۔ سلف صالحین نے تفسیر القرآن میں عربی لغت سے استمداد ضرور کیا ہے لیکن اپنے نظریات کی تائید میں صرف لغت کے سہارے قرآنی الفاظ کو اپنے نظریات پر منطبق نہیں کیا۔ انہوں نے لغت سے تفسیر کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا ہے اور اس بات کی پابندی کی کہ لغت کو قرآن، حدیث، فرامین صحابہ کے خلاف پیش نہ کیا جائے۔ بلکہ بنیادی ماخذ سے متعین ہونے والے معنی کو حتمی قرار دیا۔

علماء کی آراء:

سرسید کے وضع کردہ اصول تفسیر پر اہل علم کی طرف سے کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً سرسید کے وضع کردہ ان اصولِ تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر معید الرحمن لکھتے ہیں۔

> " یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی متن سے مختلف معانی کیوں اور کیسے سامنے آسکتے ہیں۔ کیا معنی متعین کرنے میں مصنف یا قائل کی نیت اور مقصد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے یا نہیں؟ معنی کی وضاحت میں کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور اصل مفہوم تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس عمل میں سیاق وسباق اور شانِ نزول کس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں؟ اسی طرح زبان کی مجازی اور تمثیلی جہات بھی بعض اوقات صحیح مفہوم تک رسائی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہ بھی زیر بحث آتا ہے کہ معنی کے غیر متعین رہنے کی کیفیت کس حد تک درست یا ناقابل قبول ہے۔ اگر مختلف اصولِ تاویل استعمال کیے جائیں تو کیا ایک ہی متن سے مختلف مفاہیم اخذ کیے جا سکتے ہیں؟ پھر زمان و مکان کے پس منظر کو اس عمل میں کس حد تک شامل کیا جانا چاہیے؟ یہ تمام سوالات اس وقت اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتے ہیں جب موضوعِ مطالعہ مذہبی متن ہو۔ بالخصوص قرآن کی نصوص میں وہی معنی معتبر ہیں جو منشاء الٰہی کے مطابق ہوں۔ اسی تصور کے تناظر میں سرسید کا مطالعہ، اخذ معنی کے اصول سے متعلق کئی اہم مباحث کو جنم دیتا ہے۔ "[12]

سرسید احمد خان کے اصولِ تفسیر برصغیر کی فکری تاریخ میں ایک منفرد موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان پر اہلِ علم نے کئی بنیادی سوالات بھی قائم کیے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کسی دینی متن سے مختلف اور متضاد معانی کیسے اخذ کیے جا سکتے ہیں اور ان میں

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

سے اصل منشائے الٰہی کی پہچان کس طرح ممکن ہے۔اسی طرح یہ بحث بھی اہم ہے کہ کیا مصنف یا شارع کے منشا کو نظر انداز کر کے صرف زبان اور اس کے داخلی ڈھانچے پر تکیہ کیا جا سکتا ہے؟مزید یہ کہ سیاق وسباق، شانِ نزول اور تاریخی پس منظر کو کس حد تک مؤثر سمجھا جائے؟زبان کے مجازی اور تمثیلی پہلو بعض اوقات معنی تک رسائی کو مزید مشکل بناتے ہیں، جس کے نتیجے میں تشکیلِ معنی کے کئی مختلف امکانات سامنے آجاتے ہیں۔ان سوالات کی پیچیدگی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب موضوع مذہبی متن ہو، کیونکہ وہاں صرف لسانی یا ادبی اصول کافی نہیں ہوتے بلکہ "منشائے الٰہی" کو مرکز بنانا پڑتا ہے۔انہی بحثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید کا منہج، اگرچہ فکری اعتبار سے نئی جہتیں فراہم کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی معانی کے تعین میں متعدد اشکالات کو بھی جنم دیتا ہے۔

متکلم قرآن کی مراد کالحاظ رکھنا:

بلاشبہ سرسید احمد خان کا شمار بھی ان مفسیرین میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے الفاظ قرآنی کے معنی متعین کرتے وقت متکلم قرآن کی مراد کالحاظ بھی نہیں رکھا۔ایسے ہی مفسرین کے بارے میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:''قرآنی الفاظ کے معنی و مراد کو سلب کر کے ایسے معنی لگاتے ہیں جن پر لفظ کی نہ دلالت ہوتی ہے اور نہ وہ مراد ہی ہو سکتے ہیں اور کبھی قرآنہ الفاظ کے ایسے معنی لیتے ہیں جن کے وہ متحمل نہیں ہوتے۔

اگر ان کا لگایا ہوا حکم نفی کی صورت میں ہو یا اثبات کی باطل ہے، تو دلیل و مدلول دونوں غلط ہو جاتے ہیں اور حکم صحیح ہے تو بھی مدلول میں نہ سہی دلیل میں غلطی پر رہتے ہیں'' 13

ایک اور مقام پر ایسے مفسرین کے انداز گفتگو کے بارے میں لکھتے ہیں:''ان میں ایسے بھی ہیں جو حسین عبارت لکھتے ہیں، فصاحت کے مالک ہیں اور اپنی تحریروں میں بدعتیں اس طرح چھپا دیتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔'' 14

محسن الملک نے سرسید احمد خان کو اصلاح کی غرض سے کئی ایک خطوط لکھے جو تاریخ کا حصہ ہیں۔ایک خط میں محسن الملک لکھتے ہیں:

'' اب تک میں سرسید کی آرا سے متفق نہیں رہا اور ہر مقام پر ان کے نظریات کو قرآن کی ایسی تعبیر سمجھا ہے جسے اصل معانی کی تشریح یا وضاحت نہیں کہا جا سکتا۔بلکہ کئی مواقع پر یہ تفسیر دراصل ایسی توضیح معلوم ہوتی

ہے جسے خود قرآن کے مدعا کے مطابق نہیں مانا جا سکتا اور جسے اہل علم اکثر "قول کی ایسی تفسیر جو اس کے قائل کے نزدیک بھی قابل قبول نہ ہو" کے درجے میں شمار کرتے ہیں۔۔'' 15

بجائے اس کے کہ سر سید اپنی اصلاح کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنقید برائے تنقید کا انداز اپناتے ہوئے جواباً سر سید لکھتے ہیں :

'' آپ نے اپنے مکتوب میں یہ لکھا ہے کہ اکثر مقامات پر آپ بعض تفاسیر کو اس درجے میں شمار کرتے ہیں کہ وہ ''تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ '' یعنی ایسی تشریح ہیں جو اصل قائل کے مقصد کے مطابق نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس تو کوئی وحی الٰہی نہیں آئی جس کی بنیاد پر آپ یہ یقینی طور پر کہہ سکیں کہ خدا کی مراد یہ نہیں تھی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ ہے جس کی بنیاد پر آپ نے مختلف تفسیری آرا کو "مالا یرضی بہ قائلہ "قرار دیا ہے۔ '' 16(۱۳)

سر سید مزید لکھتے ہیں:

میں نے بہت غور کیا کہ آخر وہ کون سا ذریعہ ہے جس کی بنیاد پر آپ یہ مؤقف رکھتے ہیں۔ مجھے اس کے دو اسباب نظر آئے: پہلا سبب ابتدائی تربیت ہے۔انسان جب بچپن سے کچھ باتیں سنتا اور دہراتا رہتا ہے تو وہ اس کے دل پر پتھر کی لکیر کی طرح ثبت ہو جاتی ہیں، جنہیں مٹانے کے لیے نہایت مضبوط ارادے، پختہ ایمان اور گہری فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرا سبب وہ روایات اور قصے ہیں جو مختلف علما کی تفاسیر میں بغیر کسی چھان بین کے جمع ہو گئے ہیں۔ یہ چیزیں دراصل پہلے سبب کو مزید تقویت اور مضبوطی فراہم کرتی ہیں۔ ''
17

محسن الملک نے سر سید کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"نہ تو آیات کے سیاق وسباق سے، نہ ہی قرآنی الفاظ اور نہ ہی عربی محاورات سے اس بات کی تائید ملتی ہے۔ اگر آپ میرے اس اشکال کو کسی طور واضح کر سکیں تو یہ میرے لیے بے حد مسرت کا باعث ہوگا،ایسی خوشی جو کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی۔'' 18

سر سید احمد خان نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

"اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ میری تفسیر کا کوئی حصہ قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے (اگرچہ مجھے سخت

شبہ ہے کہ آپ نے کبھی قرآن کے سیاق وسباق کی حقیقت اور اس کے طریقے کو سمجھا بھی ہے یا نہیں)، یا وہ قرآنی الفاظ اور عرب جاہلیت کے محاورے سے مطابقت نہیں رکھتا، تو میں فوراً اپنی غلطی مان لوں گا۔ البتہ میں یہ وضاحت کر دوں کہ مجاز، حقیقت، استعارہ، کنایہ یا خطابی انداز پر بحث نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح آپ کو کسی لفظ کو حقیقی یا لغوی معنی میں لینے کا اختیار ہے، اسی طرح مجھے بھی یہ حق حاصل ہے کہ میں اسے مجازی، استعاری، کنائی یا خطابی پہلو سے سمجھوں۔ "[19]

سرسید اور محسن الملک کے درمیان ہونے والے مکالمے سے کئی اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ سرسید کے نزدیک قرآنی متن ہی معنی کی تشکیل کا بنیادی ماخذ ہے، اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ منشائے الٰہی کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم ہی کو اولین اور حتمی معیار مانا جائے۔ ان کے نزدیک قرآنی پیغام اور الٰہی احکام کی وضاحت کے لیے نص قرآنی کے علاوہ دوسری روایتیں اور قصے کہانیاں قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ جب ان کی تفسیر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سیاق کے خلاف ہے تو سرسید اس تاثر کی نفی کرتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ زبان کا اپنا ایک داخلی سیاق ہوتا ہے، جو الفاظ کی ساخت، جملوں کے ربط، لہجے اور رموز واوقاف کے ذریعے خود بخود سامنے آجاتا ہے۔ اس تناظر میں سرسید کی یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ

"تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھ کو اس کے مجازی معنی لینے یا استعارہ یا کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے تو یہ جملہ بحث کا متقاضی ہے۔"[20]

معنی کی تفہیم میں سرسید کے نزدیک زبان ہی بنیادی اور فیصلہ کن عنصر ہے، جبکہ دیگر عوامل مثلاً مصنف کی نیت یا اس کا تاریخی و سماجی پس منظر محض اندازوں اور قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اسی تصور کے تحت جب وہ مافوق الفطرت معجزات کے قرآن میں نہ پائے جانے پر استدلال کرتے ہیں تو اس کی بنیاد بھی زبان ہی کو بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک الفاظ اپنی ساخت اور ترکیب کے ذریعے وہ مفہوم خود ظاہر کرتے ہیں جسے سمجھنے کے لیے کسی ماورائی توضیح کی ضرورت نہیں۔ اسی بنا پر وہ اپنی تفسیر میں یہ مؤقف پیش کرتے ہیں کہ :

"جب آپ قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کر کے اس سے مافوق الفطرت معجزات پر استدلال کرتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے وہ معنی بھی ممکن ہیں جو زبان و بیان عرب کے اصولوں، محاورات اور قرآنی اسالیب و استعارات کے مطابق ہوں؟ اگر ایسے معنی بالکل ممکن نہ ہوں تو ہم تسلیم کریں گے کہ ہمارا

اصول درست نہیں۔ لیکن اگر ایسے مفاہیم اخذ کیے جا سکتے ہیں تو پھر ہم مؤدبانہ طور پر عرض کریں گے کہ آپ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ قرآن میں مافوق الفطرت معجزات بیان ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ اس ضمن میں صرف مفسرین کے اقوال یا یہ دلیل پیش کریں کہ تیرہ سو برس سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و مفسرین نے آپ کے بیان کردہ معنی اختیار نہیں کیے، تو ہم احترام کے ساتھ عرض کریں گے کہ اس نوع کی دلیل ہمارے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ " [21]

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر نے برصغیر میں ایک نئے فکری دبستان کی بنیاد رکھی۔ تاہم ان کے طریقِ کار پر شدید علمی تنقید بھی کی گئی۔ ناقدین کے نزدیک سر سید نے قرآن کے الفاظ کی تشریح کرتے وقت متکلمِ قرآن یعنی منشائے الٰہی کو ہمیشہ پیشِ نظر نہیں رکھا بلکہ زبان اور اس کے داخلی نظام کو ہی اصل بنیاد قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان کی تفسیر روایتی فہمِ قرآن سے متصادم دکھائی دیتی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے ایسے ہی مفسرین پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ الفاظِ قرآنی کو ان کے اصل مفہوم سے ہٹا کر ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کی نہ تو لغت اور نہ ہی سیاق سے تائید ملتی ہے۔

سر سید کے دور میں محسن الملک نے بارہا خطوط کے ذریعے ان کی تفسیر پر اعتراضات اٹھائے۔ ان کا کہنا تھا کہ سر سید کی بعض توضیحات سیاقِ کلام اور محاوراتِ عرب سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس کے جواب میں سر سید نے یہ موقف اپنایا کہ جس طرح کسی کو الفاظ کے حقیقی معانی لینے کا حق ہے، اسی طرح انہیں مجازی یا استعاراتی معانی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ان کے نزدیک معنی کے تعین میں اصل ماخذ صرف زبان ہے، نہ کہ مفسرین کی روایات یا صدیوں پر محیط تفسیری ذخیرہ۔

یہی منہج انہیں اس نتیجے تک لے گیا کہ قرآن میں مافوق الفطرت معجزات کا ذکر موجود نہیں۔ ان کے نزدیک تمام آیات کو محاورۂ عرب اور لسانی قواعد کی روشنی میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ماورائی تاویلات کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس طرزِ فکر نے جہاں عقل و زبان کو محور بنایا، وہیں روایتی اسلامی روایت سے ایک بڑا فاصلہ بھی پیدا کر دیا۔

عقل کو نقل پر ترجیح کا اصول:

سر سید احمد خان اصول تفسیر بیان کرتے ہوئے بہت وضاحت کے ساتھ اپنا مؤقف بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے میں کہیں پر عقل اور نقل میں اختلاف ہو رہا ہے تو عقل کو ترجیح دی جائے گی۔ یعنی عقل کو نقل پر ترجیح حاصل ہو گی ان کے

مطابق دنیا علت و معلول کے تحت چل رہی ہے لہذا ہمیں جہاں کہیں اس قانون کی خلاف ورزی نظر آئے گی ہم اس میں تاویل کریں گے۔ سر سید کا یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کے تحت انہوں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد مقامات پر جنت ، جہنم، ملائکہ ، معجزاتِ انبیاء سے متعلقہ جمہور مفسرین کی پیش کردہ مسلمہ اور متواترہ تعبیرات کو رد کیا ہے۔ سر سید کے اِس اصولِ تفسیر پر غامدی صاحب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں :

" سر سید کے اس نقطۂ نظر کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ بالکل درست نہیں۔ یہاں "عقل" کا لفظ اصل معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مشاہدے کو عقل کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ کائنات کا نظام بلاشبہ علت و معلول کے اصول پر قائم ہے اور اسی اصول پر انسان اپنی عملی زندگی میں اعتماد کرتا ہے۔ سائنس کی جتنی ترقی اور ایجادات ہیں وہ اسی بنیاد پر ممکن ہوئی ہیں۔ اگر یہ اصول نہ ہوتا تو انسانی زندگی میں نہ اعتماد باقی رہتا اور نہ ہی ترقی کے امکانات۔ لیکن اس کا یہ مطلب لینا کہ کائنات کا یہ نظام خالق کو بھی پابند کر دیتا ہے، در حقیقت بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ یہ قانون خود اللہ تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ اس قانون کو خالق پر لاگو کرنا گویا اسے مخلوق کے درجے پر قیاس کرنا ہے، جو قطعاً درست نہیں۔ "[22]

سر سید کے اصولِ تفسیر پر غامدی صاحب کی یہ تنقید در اصل عقل و وحی کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔ ان کے نزدیک سر سید نے عقل اور مشاہدے کے دائرے کو وحی کی حدود تک بڑھا دیا ہے جو علمی و فکری خطا ہے۔ غامدی صاحب واضح کرتے ہیں کہ علت و معلول کا قانون انسانی فہم اور تجربات تک محدود ہے، خالقِ کائنات اس کا پابند نہیں۔ اس تصور کو خدا پر منطبق کرنا، اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔ یوں یہ نقطۂ نظر عقل کے صحیح استعمال اور وحی کے احترام کی تاکید کرتا ہے۔

خلاصہ کلام : سر سید احمد خان کے بیان کردہ ان اصول تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد چند باتیں جو بالکل واضح ہو جاتی ہیں، پہلی یہ کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ سر سید احمد خان نے قرآن کریم کی تفسیر کے لیے جو اصول قائم کیے تھے ان کا مقصد قرآن کو اپنے عہد کے لوگوں کے لیے با معنی بنانا تھا۔ تشکیل معنی کے لیے روایتی طریقوں کے برعکس اصول اختیار کر کے جدید ذہنوں کا قرآن سے رابطہ استوار کرنا چاہتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ ان کے متعین کردہ اصول تفسیر کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دیگر تفسیروں اور سر سید کی تفسیر میں معنوی اختلافات کا بنیادی سبب یہی اصول تفسیر ہیں۔ جو انہوں نے اپنے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کیے۔ انہی اصول و قواعد کی روشنی میں انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے علماء اسلام کی طرف سے بیان کردہ مسلمہ اور متواترہ تعبیرات کو رد کر دیا اور ان کی جگہ نئ تعبیرات پیش کیں۔ مذکورہ بحث

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سر سید کی تفسیر میں کمزوریوں کا بنیادی سبب یہی اصول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید کی تفسیر علمی و دینی حلقوں میں ہمیشہ زیر بحث رہی ہے۔اور اہل علم کی طرف سے ان کی تفسیر پر کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ دنیا میں یہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی اہم کام کیا جاتا ہے تو اس سے متعلق پہلے سے بنائے گئے قوانین اور اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے۔ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ اس کام کے بہترین نتائج حاصل کیئے جا سکیں۔اور اگر پہلے سے موجود اصول و قواعد کی پیروی سے مقصد پورا نہ ہو رہا ہو یا اختلاف ہو اور نئے قوانین بنانا ضروری ٹھہر جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ نئے اصول اور قوانین پہلے سے موجود اصول و قوانین سے بہت بہتر ہونے چاہئے وگرنہ مثبت نتائج بر آمد ہونا تو در کنار اس کے بر عکس بھی ہو سکتا ہے۔ سر سید کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہوا ہے کیونکہ سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق ہر دور میں مفسرین جن اصولِ تفسیر کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر کا اہم فرئضہ سر انجام دیتے چلے آرہے تھے۔ سر سید نے اُن اصولِ تفسیر کو یہ کہہ کر ترک تو کر دیا کہ اسلاف نے کوئی ایسے اصولِ تفسیر نہیں بتائے ہیں جن سے وہ مشکلات جو در پیش ہیں حل ہو سکیں۔ لیکن ان کی جگہ جو انہوں نے اپنے نظریات کی روشنی میں چند قواعد متعین کئے جنہیں انہوں نے اصولِ تفسیر کا نام دیا وہ کسی طرح بھی پہلے سے موجود سلف صالحین کے متعین کردہ اصولِ تفسیر سے بہتر نہیں ہیں۔ لہذا سرے سے یہ بات ممکن ہی نہیں تھی کہ اِن اصولوں کی روشنی میں کی جانے والی تفسیر کے نتائج پہلی تفسیروں سے بہتر ہوتے بلکہ بہتری کے بجائے عقائد کے باب میں سر سید نے معاملات کو مزید الجھا دیا۔

حوالہ جات

---

1 آل عمران:۹
2 مزمل:۱۸
3 روم:۳۰
4 سر سید، تفسیر القرآن وہو الہدای والفرقان، مقدمہ، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵، جلد ۱، ص:۵۴
5 حم السجدہ:۴۲
6 سر سید، تفسیر القرآن وہو الہدای والفرقان، جلد ۱، ص:۱۸

[7] ایضا، جلد ا، ص: ۲

[8] ایضًا، جلد ا، ص: ٦

[9] ایضًا

[10] اسمٰعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)،: مقالاتِ سر سید، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۴، جلد ۲، ص: ۲۵۳

[11] ڈاکٹر، معید الرحمن، سر سید کا اصول تفسیر اور شرحیات، ص: ا

[12] ایضًا

[13] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد، امام، اصول تفسیر، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، (مترجم) المکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، ص: ۴۷

[14] ایضًا

[15] اسمٰعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)،: مقالاتِ سر سید ، جلد ۲، ص: ۱۸۸

[16] ایضًا، ص: ۱۹۰

[17] ایضًا، ص: ۱۹۰

[18] ایضًا، ص: ۸۹

[19] اسمٰعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)،: مقالاتِ سر سید، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، جلد ۲، سن ۱۹۸۴، ص: ۱۹۲

[20] سر سید، احمد خان، تفسیر القرآن وہو الہدای والفرقان ، جلد ا، ص: ۷

[21] ایضًا، جلد ا، ص: ۲۶، ۲۷